عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

## اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ/ فروری ۲۰۰۷ء


زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلس مشاورت: مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: 6

## فہرست



فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: مکان نمبر۔P-۱۲ ، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

# حدیثِ نا گفتنی (تیسری قسط)

## میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

### اھمیت احادیث نبوی :

کتب حدیث کے بحر زخّار کی شناوری مجھ جیسے بے مایہ کی بساط نہیں۔علوم وملفوظات نبویہ کا یہ خزینہ سیدالانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات کا حامل، ہدایت ربانی کا سرچشمہ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی ٥ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم۔۳،۴) کا کرشمہ انّی اوتیت جوامع الکلم کی تفسیر، منشاء رسالت کا محافظ اور قرآن کا علمی وحقیقی بیان وترجمان ہے۔کتب حدیث کا دائمی مطالعہ و ممارست صحبت نبوت کے انوارات وفیوض وبرکات سے ایک گونہ بہرہ مند کر دیتا ہے۔کسی نے سچ کہا ہے اھل الحدیث ھمو اھل النبی وان لم یصبحو انفسہ انفاسہ صحبوا۔اثر پذیری کے لیے حدیث شریف کے مختلف مجموعے مطالعہ میں رکھے جا سکتے ہیں۔جمع الفوائد کنز العمال [۱]، مجمع الزوائد، فیض القدیر مشکوٰۃ وغیرہ ''تجویدی'' مطالعہ کے لیے مفید ہیں۔حسن عمل اور اعمال میں ''ایمانی واحتسابی'' کیفیت پیدا کرنے کے لیے ترغیب وترھیب وفضائل اعمال کی احادیث کا مطالعہ ناگزیر [۲] ہے۔فن علوم حدیث نوع درنوع علوم کا مجموعہ ہے۔مہارت فن ومناسبت ان علوم کی پیہم تحصیل ہی سے ممکن ہے ورنہ ہر گام پر لغزش کا اندیشہ ہے۔

بات لمبی ہوگئی۔عرض کر رہا تھا کہ حضرت الاستاذ مولانا نور الاعظم الباجوڑی کی شفقت نے حدیث مبارکہ کے کوچہ تک پہنچا دیا۔ان کا یہ احسان اتنا عظیم ہے کہ اس سے سبکدوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔گو اپنی نااہلی سے استاذ مرحوم یا اس فن شریف کا حق تو ادا نہ کرسکا تاہم ''نفسات نبوت'' کی نسیم

---

[۱] اپنی تشنہ تکمیل کتاب نظام ہدایت کے سلسلہ میں کنز العمال کے بالاستیعاب مطالعہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

[۲] اس سلسلہ میں عربی میں ترغیب وترھیب، منذری، ریاض الصّالحین وکتاب الاذکار نووی اور اردو میں معارف الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا مجموعہ فضائل اور چھوٹے بچوں کے لیے جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا (مولانا احمد سعید دہلوی) مفید ہیں۔

جانفزا کا ایک جھونکا بھی مایہ سعادت ہے۔ ورنہ

نقش ونگارِ پردۂ در دیکھتے رہے ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں

**اردو تراجم قرآن و تفاسیر:**

اردو کے تفسیری لٹریچر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بیان القرآن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی، تفسیر ماجدی اور احسن التفاسیر سے فقیر نے بھرپور استفادہ کیا۔ بیان القرآن (تھانویؒ) [1] اردو کی احسن التفاسیر ہے۔ مصنف کے محتاط قلم نے اس تفسیر میں اپنے خداداد علوم و معارف کے ساتھ تفاسیر ماقبل کا خلاصہ، روح المعانی کا عطر اور اقوال مفسرین میں راجح قول کو کمال حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ تفسیری باریکیاں، علمی نکات کا بیان اور ذہنی اشکالات کا حل اس انمول تفسیر کا خلاصہ ہے، عربی بلاغت و معانی ولغت کی مشکلات ''حل الغات'' کے مستقل عنوان سے واضح فرمائی ہیں۔ [2] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی قرآنی باوجود ایجاز و اختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم نادرہ کا خزینہ ہیں۔ مؤثر و دلنشین بلیغ اردو میں خود بخود تفسیری گتھیاں سلجھتی جاتی ہیں اور جدید اشکالات کے جوابات ملتے جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی (اردو) بیک وقت قدیم و جدید عالم و عامی کی تسلی کا سامان ہے۔ تفاسیر ماقبل سے ''مغز سخن'' کا موجز انتخاب ''قلم ماجدی'' کا کمال ہے۔ عربی کے مختصر جملوں میں طویل و مبسوط تفاسیر سے مقصد کی بات اور روحِ کلام چھانٹ لینا ہنرمند کلک ماجدی کا وہ کارنامہ ہے جس سے بڑی بڑی تفاسیر خالی ہیں۔ ان ''جان مطالب'' جملوں کا مفہوم اردو میں دلکش انشائے ماجدی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں، ابلہ فریبیوں کے جوابات، مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور عصری سوالات و اشکالات کا حل بھی آ گیا ہے۔

---

[1] محمد علی ایم اے لاہوری قادیانی نے بھی اسی نام سے ایک تفسیر لکھی ہے، نام کے التباس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

[2] افسوس ہے کہ تاج کمپنی (لاہور۔ کراچی) کے تاجداروں نے اپنے تجارتی مفاد کی بنا پر اس اہم اور مفید حصّہ کو جو تفسیر کا حجم میں ایک چوتھائی حصّہ ہے اپنے مطبوعہ ایڈیشن میں شائع نہیں کیا۔ انا للہ

تفسیرِ حقانی گو سرسید کی اغلاط تفسیری اور نیچریت کے جواب میں لکھی گئی ہے تاہم مفید معلومات کا مجموعہ ہے اور ملاحدہ و دیگر مذاہب کے جوابات اور متشکک اذہان کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ کی جدید تفسیر معارف القرآن شگفتہ اور آسان زبان میں قرآنی معارف و مسائل کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر جدید وقدیم شخص کے مطالعہ کے لائق ہے۔ انگریزی تفاسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر وترجمہ مولانا کے قلم کا شاہکار ہے۔ دیگر خوبیوں کے علاوہ مولانا نے جس تفحص واستعیاب کے ساتھ بائبل وکتب ماقبل سے قرآنی آیات کے شواہد جمع فرمائے ہیں اس سے قرآن کا پہلی کتابوں پر مہیمن ہونا اظہر من الشمّس ہوگیا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے اس سے بہتر تفسیر انگریزی میں شاید ہی مل سکے۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ و تفسیری حواشی بھی مفید ہیں اور پکتھال کا ترجمہ انگریزی بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کا بامحاورہ ترجمہ شاہ رفیع الدّین صاحب کا تحت الفظ ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے تراجم خوب ومستند ہیں، اردوخوان طبقہ کو انہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اردو میں لغت قرآن پر جو کام کیا گیا ہے اس میں مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا دائم جلالی کی لغات القرآن [1] اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اردو دان طبقہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ پچھلی دو جلدوں میں گو نسبتاً اختصار ہے تاہم غنیمت ہیں۔

**عربی تفاسیر:**

مختلف متداول عربی تفاسیر زیرنظر رہیں۔ لغات کی تحقیق میں مفردات راغب اصفہانی سے فائدہ اٹھایا، جاراللہ زمخشری کی تفسیر کشاف ادب و بلاغت قرآنی کی کاشف اور لغت ونحو کے مباحث

---

[1] منکر حدیث غلام احمد پرویز نے لغات القرآن کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے وہ تحریف وتاویلِ فاسد کا پلندہ، لغت نویسی سے مذاق اور تلمیع و دجل کا مرقع اور پرویزی حیلہ گری کا نمونہ ہے جو اس کے ذہن کی عکاسی ہے۔ اگر لغت نویسی یہی ہے تو لغت نویسی سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔

میں بلند مقام رکھتی ہے، قرآن کریم کا کوئی طالبعلم اس کی تحقیقات سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ زمخشری معتزلی ہے اس لیے دوران مطالعہ اس کے ''اعتزالی نظریات'' سے احتیاط ضروری ہے۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں زمخشری سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور تفسیر اسرار التنزیل میں بعض سورتوں کے ذیل میں زمخشری کی عبارات لفظ بلفظ نقل کردی ہیں۔

منقولی تفاسیر میں ابن جریر طبری ام التفاسیر ہے جس میں لغت، نحو، بلاغت، احادیث و آثار اور اقوال سلف کو اکٹھا کردیا ہے۔ گو بعض ضعیف روایات بھی نقل کردی گئی ہیں تاہم ان سے تفسیر کی عمومی ثقاہت پر اثر نہیں پڑتا۔ فوائد عربیہ اور علوم نافعہ کا خزانہ ہے جس سے بعد کے آنے والے ہر مفسر نے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں صحیح روایات کے اہتمام کے ساتھ ابن جریر کی بیشتر خوبیوں کو اپنے میں سمولیا ہے اور اسے علوم قرآنی کا ذخیرہ بنادیا ہے۔ گو تفسیر ابن کثیر ایک متوسط تفسیر ہے تاہم اپنے افادات کثیرہ، حسن ترتیب اور فنی کمالات کی بناپر ہر دور میں ہردلعزیز و مقبول رہی ہے۔ امام فراء البغوی کی معالم التنزیل اور اس کا ملخص تفسیر خازن منقولی تفاسیر میں اچھی ہیں۔

الجامع الاحکام القرآن یا تفسیر قرطبی اور بحرالمحیط (مرتبہ اثیر الدّین ابو حیان الغرناطی اندلس) مرحوم کے علمی سمندر کے دو انمول موتی ہیں، جن کا شمار اوّل درجہ کی تفاسیر میں ہے۔ دیگر کمالات کے علاوہ محقق اقوال کی نقل میں قرطبی اور نحوی گرہ کشائیوں میں بحرالمحیط خوب ہے۔

بندہ احکام القرآن جصاص رازی سے بہت زیادہ مستفید و متاثر ہوا، حنفیہ کی قدیم تفاسیر میں یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے اور باوجود اختصار کے بعض مطول تفاسیر پر سبقت لے گئی ہے۔

امام فخرالدّین رازی کی تفسیر کبیر حکمت قرآنی اور استدلالِ عقلی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ رازی قرآن کے اندر ڈوب کر اپنی عمیق و خداداد ذہانت سے پوشیدہ جواہر قرآنی کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے جاتے ہیں۔ ان کی نکتہ سنجیاں کشادِ فکر کا سبب ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی اسم بامسمّٰی اور متاخرین کے لیے سرمایہ نازش ہے۔ ادب و بلاغت کی گرہ کشائیاں تفاسیر ماقبل کا ماحصل، حنفی نکتہ نظر سے فقہی استدلال، اپنی محققانہ رائے

کے ساتھ مستقلاً سلوک و معرفت کے نکات۔

ے از سر تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

تفسیر ابی السعود گو مختصر ہے مگر مفید اور حنفی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی در منثور تفسیری احادیث کا قابل قدر مجموعہ ہے اور اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ قرآن احادیث کا منبع بھی ہے اور اعمال واقوال محمدیہ کا مؤید بھی۔ احادیث نبویہ قرآن پاک کی تشریح و بیان بھی ہیں۔ نزول قرآنی کے مواقع و ماحول، منظر پس منظر، عموم و خصوص وغیرہ کی بتلانے والی بھی۔ قرآن و حدیث دونوں باہم لازم وملزوم، متن و شرح، اجمال و تفصیل، دعویٰ و دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ احادیث کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا اور احادیث کی حقیقت قرآنی روشنی ہی میں کھلتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی تفسیر فتح العزیز خاندان ولی الٰہی کے علوم قرآنی کی خازن، امین اور حقائق نگاری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس رنگ میں فقیر کی نگاہ سے کوئی تفسیر نہیں گزری کاش مکمل ہو جاتی تو تفسیری خزانہ عامرہ کا بے بہا موتی ہوتی۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی و عرفانی مقام کا اندازہ اس نامکمل تفسیر سے ہی ہو جاتا ہے۔ [1]

جلالین اس قدر مختصر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے اس کے الفاظ کچھ ہی زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود سلیم الطبع عربی دان کے لیے ایک حد تک مطالب قرآنی کا حل ہے۔

## اعجاز قرآن:

قرآن کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی وجوہ اعجاز بیشمار ہیں اور اس کا کلی ادراک ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا اعجاز حرف وصوت نشست الفاظ، انتخاب کلمات و تقاطیع اصوات ترتیب و ترکیب کلام، سلاست و روانی ترتیل وسہولت ادائیگی،

---

[1] حضرت علامہ بنوری مدظلہ حضرت علامہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ''قرآن کی تفسیر کا حق ادا کرنے سے مخلوق قاصر ہے تاہم اگر تفسیر فتح العزیز مکمل ہو جاتی تو شاید بشری حد تک تفسیر قرآن کا ایک گونہ حق ادا ہو جاتا۔ (بندہ نے جو مفہوم خیال میں ہے لکھا ہے الفاظ میں فرق ہو سکتا ہے)''

فصاحت و بلاغت و اسلوب بیان میں نمایاں۔اس کے مطالب و معانی پیام و احکام مقاصد و حقائق اخبار غیب و قصص غرض جز و کل میں جاری و ساری اور ظاہر و باہر ہے۔ [1]

اعجاز قرآنی پر ہر دور میں علمائے امت نے کام کیا اور ہر ایک نے اپنی بساط کے بقدر اس عمیق فن کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے کی کوشش کی۔ جاحظ و زمخشری سے لیکر اس وقت تک علمائے محققین اپنی کاوشوں کے ثمرات کو امت کے سامنے پیش کرتے رہے۔تاہم احقر کے نزدیک اعجاز قرآنی پر مفید اور مہم کتابیں دلائل الاعجاز (امام عبدالقاہر جرجانی) اعجاز القرآن (علامہ الباقلانی) اعجاز القرآن (ابن تیمیہ)، المثل السائر (ابو فتح ضیاء الدّین المعروف ابن الاثیر الوصل) للیرافعی، البیان مقدمہ مشکلات القرآن (علامہ محمد یوسف البنوری) ہیں [2] جن سے فقیر نے اپنی بساط کے بقدر فائدہ اٹھایا ہے۔فقیر نے دلائل اعجاز القرآن الباقلانی اپنے مصری استاذ حسین الکاتب سے پڑھیں۔

رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوری مدظلہ نے اپنے مدرسہ میں اعجاز القرآن پر خصوصی درس دئے تھے۔ بندہ کو ان میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح کی اعجاز کے بارے میں توضیحات اور علامہ کشمیریؒ [3] کے نظریہ اعجاز القرآن [4] کی

---

[1] اردو میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسالہ اعجاز القرآن اور حضرت سیّد الملت علامہ سیّد سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ کا اعجاز القرآن پر مضمون سیرت النبی (جلد ثالث) خوب ہیں۔

[2] وجوہ اعجاز کی ان جملہ صورتوں میں ہر صورت و وجہ مستقل تشریح و مضمون کی طالب ہے جس کا محتمل ہمارا یہ رسالہ نہیں۔

[3] علامہ انور شاہ کشمیریؒ دیگر علوم کے علاوہ بلاغت و وجوہ اعجاز کی معرفت میں بھی مجتہد و امام تھے۔ چنانچہ مشہور قول ”لم یدر اعجاز القرآن الا الجرجان“ علامہ بنوری مدظلہ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے تھے احدھما زمخشر و لآخر من جرجان ”و انا ثالثھما“ علامہ بنوری مدظلہ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ ”بلاغت پر میرا بیان و تقریر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو معلول جیسی کتاب لکھ سکتا ہو اور جسے شعرائے جاہلیت کے دس بارہ ہزار اشعار یاد ہوں۔

[4] اعجاز القرآن عمیق و گہرا فن ہے اس کے ماہر ہر دور میں محدود و شاذ ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفصیلات سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ علامہ بنوری مدظلہ نے دیگر وجوہ اعجاز کے علاوہ اس بات کو خوب واضح اور مدلل فرمایا کہ "قرآن کریم نہ صرف اسلوب بیان وترکیب کلام میں معجزہ ہے (جیسا کہ امام جرجانی وغیرہ کا قول ہے) بلکہ قرآن باعتبار مفردات ومرکبات کے بھی معجزہ ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے) ہیں۔ حضرت بنوری کا ارشاد ہے "علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک تو کچے تھے پک گئے۔ کچھ علوم ایسے ہیں کہ پک کر جل گئے اور کچھ علوم ایسے ہیں جو کچے کے کچے رہ گئے اور ابھی تک نہیں پکے اور یہ علوم ہیں قرآن کریم کے وجوہ اعجاز اور علم بلاغت۔

(جاری ہے)

(صفحہ۹ سے آگے) اس واقعے نے پورے ہندوستان پر جذباتی اثرات ڈالے اور پورا برصغیر پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے سے گونج اٹھا۔ لوگ جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ ان خدمات کی قدردانی میں مسلم لیگ نے بیس اکیس سال کی عمر میں آپ کو پشاور سٹی مسلم لیگ کا جنرل سیکریٹری بنایا اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا ممبر بنایا۔ پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظم پہلی دفعہ صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو ان کے سامنے سپاس نامہ پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہوگیا کیونکہ مسلم لیگ تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی بالآخر تینوں دھڑوں کا آپ کے سپاس نامہ پڑھنے پر اتفاق ہوا۔

حضرت مولانا صاحبؒ سیاسی زندگی ترک کر چکے تھے لیکن مسلم لیگ والے ہمیشہ ان کے ساتھ رابطے میں رہے اور اپنی مشکلات میں ان کی دعائیں لیتے رہے۔ یہ گولڈ میڈل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ تقریب ۲۴ دسمبر ۲۰۰۶ء کو لاہور میں مسلم لیگ ورکرز فورم کے دفتر کے احاطے میں ہوئی۔ میڈل ڈاکٹر جاوید اقبال نے تقسیم کیے۔ تقریب غیر سیاسی تھی اور اس پر موجودہ مسلم لیگ کے دھڑوں میں کسی کی چھاپ نہیں تھی۔ ایک آدمی نے موجودہ لیڈروں میں سے کسی کا نام لے کر نعرہ لگایا جب اس کے نعرے کی کسی نے نہ حمایت کی اور نہ مخالفت تو اس کو اندازہ ہوا کہ اس کا نعرہ غیر ضروری تھا۔

بحرحال تقریب تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے مجموعی مستقبل کیلئے انتہائی مفید تھی بندہ جناب نصیر ملک صاحب کا انتہائی شکرگزار ہے اور ان کو ایسی کامیاب تقریب منعقد کرنے پر مبارک باد دیتا ہے۔

# مسلم لیگ کی ایک تقریب

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

لاہور سے جناب نصیر احمد ملک صاحب سیکریٹری مسلم لیگ ورکرز فورم نے رابطہ کیا کہ مسلم لیگ ورکرز فورم بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سابق پروفیسر و ہیڈ شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی کو گولڈ میڈل دینا چاہتا ہے۔ بندہ نے جواباً عرض کیا کہ میڈل ان کے منہ بولے بیٹے کے ذریعے موصول ہونا چاہیے۔ انہوں نے تعارف کے غرض سے مولانا صاحبؒ کی تصویر مانگی جس کے جواب میں بندہ نے حالات زندگی کی کتاب ''مرد درویش'' بھیج دی جسمیں حضرت کے سب خلفاء کے نام تھے اس خیال سے کہ اگر تمغہ لینے کیلئے سلمان کی جگہ کسی اور کو دینا چاہیں تو سب خلفاء کی لسٹ ان کے سامنے ہو۔ بلا آخر نصیر احمد ملک صاحب کا پیغام بندہ کے نام آیا کہ تمغہ حاصل کرنے کیلئے بندہ ہی وہاں حاضر ہو۔ بندہ سے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی مانگی گئی جو بندہ نے بھیج دی۔ ورکرز فورم نے غلطی سے بندہ کی تصویر کو حضرت مولاناؒ کی تصویر کی جگہ اپنے کتابچہ میں شائع کردیا۔

حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے گریجویشن کے بعد اپنی پوری صلاحیتیں تحریک پاکستان کیلئے وقف کردیں تھیں اور مسلم لیگ کے ہراول دستے کے طور پر اپنی جان کو انتہائی خطرات میں ڈال کر کام کیا تھا۔ چنانچہ ایک خاص موقع پر جبکہ کانگریس کا صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا۔ مرکز سے اطلاع آئی کہ اس اجلاس کو ہر صورت ناکام بنانا ہے۔ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ ہم نے جلوس روانہ کیا موجودہ ہائی کورٹ بلڈنگ جو اس وقت صوبائی اسمبلی کی عمارت تھی اس کے پاس جلوس پہنچ گیا۔ پشاور کا ''سورے پل'' جہاں پر اوپر ریل گزرتی ہے اور نیچے سڑک ہے یہیں سڑک پر انگریزوں نے سرخ پٹا باندھا ہوا تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ جو اس کو کراس کرے گا اس پر گولی چلائی جائے گی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے نعرہ تکبیر لگا کر اس کو پار کیا ان کے ساتھ پیر مانکی صاحبؒ نے پار کیا اور پیر مانکی صاحبؒ کے مریدوں نے پار کیا اور سارا ہجوم آگے بڑھ گیا۔ انگریزوں نے گولی چلادی جسمیں مانکی صاحبؒ کا ایک مرید شہید ہوگیا اور ایک آدمی کو گھٹنے پر گولی لگی۔ (باقی صفحہ ۸ پر)

# جنوبی اضلاع کا دورہ

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

بندہ کی ہر سال گومل میڈیکل کالج کے امتحان کے سلسلہ میں دو مرتبہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی حاضری ہو جاتی تھی۔ اس مرتبہ حاضری نہ ہوئی۔ ٹانک کے ساتھیوں نے ڈیرہ کی حاضری کا مطالبہ کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اگر ٹانک کو ساتھ شامل کریں تو بندہ حاضر ہو جائے گا۔ ٹانک کی حاضری کی بندہ کو اس وجہ سے چاہت تھی کہ وہاں بندہ کے محترم دوست پیر شفیع اللہ قادری صاحب ہوتے ہیں جو ہمارے وقت کو بھرپور استعمال کریں گے اور عوام، مدارس اور علماءِ کرام کے ساتھ رابطے کا ذریعہ بنیں گے۔ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۸ ہجری ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچے۔ رات کا قیام جناب ناصر قریشی صاحب کے ہاں گیلان ٹاؤن میں ہوا۔ مغرب کے بعد مسجد میں بیان ہوا اور صبح کی نماز کے بعد جہری ذکر کی مجلس ہوئی۔ پیر کو کلاچی حضرت قاضی عبدالکریم صاحب کے مدرسہ عربیہ نجم المدارس میں حاضری ہوئی۔ قاضی عبدالکریم صاحب اور قاضی عبداللطیف صاحب دونوں حضرات نے انتہائی شفقتوں سے نوازا۔ اپنے مدرسہ میں بیان کروایا اور جہری ذکر کی مجلس بھی ہوئی۔ واقعی ہر دو حضرات اس وقت صرف ڈیرہ اسمٰعیل خان اور کلاچی ہی کے لئے نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کے لئے رحمت کا سایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔ ازراہِ شفقت قاضی عبدالکریم صاحب نے ایک گرامی نامے سے بھی نوازا اور اپنے فتاویٰ ''نجم الفتاویٰ'' کے ہدیہ سے سرفراز فرمایا۔

ع شاہا چہ عجب گر بنوازند گدارا

ایک رات قیام ٹانک میں ہوا۔ ڈسٹرکٹ خطیب حضرت مولانا فتح خان صاحب کی زیارت ہوئی، اُنہی کی مسجد میں بیان ہوا۔ حضرت مولانا فتح خان صاحب نے خوب شفقت فرمائی۔ صبح کی نماز کے بعد جہری ذکر کی مجلس ہوئی۔ منگل کے دن گل امام کے قصبہ میں حاضری ہوئی۔ مرکزی جامع مسجد میں بیان ہوا دونوں مدارس کے مہتمم صاحبان ازراہِ کرم تشریف لائے۔ یہ ساری کارکردگی جناب پیر شفیع اللہ صاحب کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ علاقے کے علماء اور مشائخ کو پیر شفیع اللہ صاحب کے ساتھ خاص محبت ہے۔ شفیع اللہ صاحب آج کل مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی خاص تائید فرمائے اور اُن کا کام آسان فرمائے۔ آمین۔

# قاضی عبدالکریم صاحب کا گرامی نامہ

**گرامی قدر حضرت ڈاکٹر صاحب جانشینِ اشرف العلماء ادامہٗ اللّٰہ**

**بھٰذہٖ الشرف العظیم!**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! ملاقات حضرت مرحوم کے توجہات اور آنجناب کے حسنِ اخلاق کی علامت ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرماویں اور ہم دورافتادگان کو اس عظیم نعمت کی قدر کی توفیق سے نوازیں آمین۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ معظم حضرت نور المشائخ قدس سرہٗ کو تحریر فرمایا تھا۔

ماخود بگرد دامنِ مردے نمی رسم ؎

باشد کہ گرد دامنِ مردے بما رسد

نجم المدارس کی جانب سے ہدیہ پیش کرنا بھول گئے، معذرت خواہ ہوں۔ نجم الفتاویٰ جلد دوم وسوم پیشِ خدمت ہے قبول فرماویں۔ دعواتِ غائبانہ جو سریع الاجابت ہیں کی درخواست ہے۔

والسلام

ناکارہ عبدالکریم غفرلہٗ ولوالدیہ

۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۸ ہجری

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۶ سے آگے) مصنف نے ایک باب میں سعودی عرب خصوصاً حجاز کی زمین کی ساخت اور اس کے Hydrology پر بحث کی ہے۔ آبِ زم زم کی پیداوار کے بارے میں لکھا ہے کہ پمپوں کے ذریعے نکالے جانے کے طریقے کے مطابق اس کی فی سیکنڈ پیداوار گیارہ سے اٹھارہ لیٹر ہے۔

اس کے بعد مصنف نے آبِ زم زم کی کیمسٹری اور مائیکرو بیالوجی پر تحقیقی بحث کی ہے۔ اور اس کا ہر رخ سے سائنسی تجزیہ کیا گیا ہے اور آخر میں ثابت ہوا ہے کہ زم زم ہر طرح سے ایک منفرد اور صحت کیلئے مفید پانی ہے۔

# اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

(معارف الحدیث از مولانا منظور احمد نعمانیؒ)

اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم وبیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین وفقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اپنے اہل وعیال اور اعزہ وا قارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کی بینک میں جمع ہوگا بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب حاصل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر وسعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے، کپڑے پر، حتیٰ کہ اُن کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا صدقہ اور کارِ ثواب ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَھْلِہٖ وَ ھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَةٌ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی صاحبِ ایمان بندہ اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اُس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُھْدُ الْمُقِلِّ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے اور پہلے اُن پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)

(سنن ابی داؤد)

(انتخاب: ڈاکٹر محمد طارق)

# معاملات کی صفائی

(اصلاحی خطبات از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم)

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے۔ بڑی عاجزی سے، الحاح وزاری کے ساتھ یہ دُعائیں کر رہے ہوتے ہیں لیکن کھانا اُن کا حرام، پینا اُن کا حرام، لباس اُن کا حرام اور اُن کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا۔ ایسے آدمی کی دُعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کرلو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں سے اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کرلو۔ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اولیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مُریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات، نوافل اور وظائف پورے نہیں کئے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مُرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو۔ لیکن اگر کسی مُرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مُرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

آج کتنے لوگ ناجائز قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کام کر کے چند پیسے بچا لئے تو وہ چند پیسے

حرام ہوگئے اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے بُرے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھا رہے ہیں، اسی سے کپڑے بنا رہے ہیں، اسی سے لباس تیار ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہو رہی ہے، اور ہم چونکہ بے حس ہوگئے ہیں اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے بُرے نتائج کا ہمیں علم بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچا رہا ہے، اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احساس عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر اُستاذ تھے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک دعوت میں چلا گیا اور وہاں جا کر کھانا کھالیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس شخص کی آمدنی مشکوک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں مہینوں تک ان چند لقموں کی ظلمت اپنے دِل میں محسوس کرتا رہا اور مہینوں تک میرے دِل میں گناہ کرنے کے جذبات پیدا ہوتے رہے، اور طبیعت میں یہ داعیہ بار بار پیدا ہوتا تھا کہ فلاں گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں، حرام مال سے یہ ظلمت پیدا ہوجاتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اُونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں لیکن تصوف اور زہد کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے تصوف پر کتاب نہیں لکھی، میں نے جو "کتاب البیوع" لکھی ہے، وہ تصوف ہی کی کتاب ہے۔ مطلب یہ تھا کے خرید و فروخت کے احکام اور لین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں۔ اس لئے کہ زہد اور تصوف درحقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کا نام ہے اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خرید و فروخت اور لین دین کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

(ظہور الٰہی صاحب کا انتخاب)

# کیا فلموں ‹ویڈیو› کے ذریعہ تبلیغ جائز ہے ؟
# حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

(انجینئر نجیب الدین محمد)

حضرت جسٹس تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے اسلام آباد میں تشریف فرما تھے، دودن کونسل کے اجلاس تھے جس میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور حصہ لیا۔کونسل کی نشستوں میں ایجنڈے سے باہر کی باتیں بھی بعض اوقات چھڑ جاتی ہیں، اسی سلسلہ میں دراصل یہ ہوا تھا کہ بعض حضرات نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹیلی ویژن پر خطاب فرمائیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ریڈیو پر خطاب کرنے کو قبول فرمالیا تھا، لیکن ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے سے معذرت فرمادی تھی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی تھی کہ فلموں کو مخرب اخلاق عناصر سے پاک کرکے تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا۔

”اس سلسلہ میں میں ایک اُصولی بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف (ذمہ وار) نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں ، ہاں اس بات کے ضرور مکلّف ہیں کہ تبلیغِ دین کے لیے جتنے ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کردیں۔اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں، اور اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں، تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں،

اور آدابِ تبلیغ کو پسِ پشت ڈال کر جس جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں، اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آدابِ تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیں تو اس کامیابی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ دین کے احکام کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی۔ فلم اپنے مزاج کے لحاظ سے بذاتِ خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے، لہٰذا ہم اس کے ذریعے تبلیغِ دین کے مکلّف نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ ودل اس کے لیے فرشِ راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ مؤقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کیلیے استعمال کریں گے، کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لیے استعال کیا جائے گا اور رقص وسرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی اور اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔"

یہ کونسل میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تقریر تھی اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی آخری وصیت تھی جو لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔

(البلاغ، جلد:۱۱، شمارہ:۱۲)

☆☆☆☆☆☆☆

# اطلاع

انشاءاللہ آئندہ ماہانہ اجتماع ۲۴ مارچ ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب منعقد ہوگا۔

# خدمتِ خلق

(از فضائلِ صدقات حضرت مولانا زکریا صاحبؒ)

حدیث نمبر ۱

**عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَحْسِبُہٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُوَ کَا لصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ. متفق علیہ (مشکوۃ)**

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنیوالا، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔

فائدہ: بے خاوند والی عورت سے عام مراد ہے کہ بیوہ ہوگئی ہو یا اُس کو خاوند میسر ہی نہ ہوا ہو، اس حدیث پاک میں ان دونوں کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے یہ اجر وثواب اور فضیلت ہے، خواہ اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یا اس کو نفع پہنچانے کے لیے چلے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مضطر (انتہائی پریشان) بھائی کی مدد کرے، حق تعالیٰ شانہ اُس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز)، یعنی قیامت کے سخت دن جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ جم سکیں گے یہ ثابت قدم رہے گا۔ اور اس حدیثِ پاک سے ایک لطیف چیز یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ فتنوں اور حوادث کے زمانوں میں جب لوگوں کے قدم اُکھڑ جائیں جیسا کہ آج کل کا زمانہ گزر رہا ہے، ایسے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جو لوگوں کی اعانت اور مدد کرتے رہتے ہوں، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے حق تعالیٰ شانہ اُس کی ستر (۷۰) حاجتیں پوری فرماتے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہوجاتے

ہیں، (کنز)، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حکومت تک پہنچا دینے کا ذریعہ بن جائے جس سے اس کو کوئی نفع پہنچ جائے یا اس کی کوئی مشکل دور ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہ اُس شخص کی جو ذریعہ بنا ہے قیامت کے دن پل صراط پر چلنے میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ وہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے (کنز)۔

اس لیے جو لوگ حکام رس ہیں یا ملازموں کے آقاؤں تک اُن کی رسائی ہے اُن کو خاص طور سے اس حدیث پاک سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، نوکروں اور محکوموں کی ضروریات کی تفتیش کر کے اُن کو آقاؤں اور حاکموں تک پہنچانا چاہیے، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کی پھٹن میں پاؤں اڑائیں۔ پل صراط پر گزرنا بڑی سخت مشکل ترین چیز ہے، اس معمولی کوشش سے ان کے لیے خود کتنی بڑی سہولت میسر ہوتی ہے لیکن اللہ کے واسطے ہونا تو ہر جگہ شرط ہے۔ اپنی وجاہت، اپنی شہرت اور لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت قائم کرنے کی نیت سے نہ ہو، اگرچہ اللہ کے لیے کرنے سے یہ سب چیزیں خود بخود حاصل ہوں گی اور اس سے زیادہ بڑھ کر ہوں گی، جتنی اپنے ارادہ سے ہوتیں، لیکن اپنی طرف سے ان چیزوں کا ارادہ کرنا اس محنت کو آقا کے لیے ہونے سے نکال دے گا۔

حدیث نمبر۲

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یُحِبُّھُمُ اللّٰہُ وَثَلٰثَۃٌ یُبْغِضُھُمُ اللّٰہُ فَاَمَّا الَّذِیْنَ یُحِبُّھُمُ اللّٰہُ فَرَجُلٌ اَتٰی قَوْمًا فَسَأَلَھُمْ بِاللّٰہِ وَلَمْ یَسْأَلْھُمْ لِقَرَابَۃٍ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ فَمَنَعُوْہُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْیَانِھِمْ فَاَعْطَاہُ سِرًّا لَا یَعْلَمُ بِعَطِیَّتِہٖ اِلَّا اللّٰہُ وَالَّذِیْ اَعْطَاہُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَیْلَتَھُمْ حَتّٰی اِذَا کَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِمَّا یُعْدَلُ بِہٖ فَوَضَعُوْا رُءُ وْسَھُمْ نَقَامَ یَتَمَلَّقُنِیْ وَیَتْلُوْ اٰیَاتِیْ وَرَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَلَقِیَ الْعَدُوَّ فَھُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِہٖ حَتّٰی یُقْتَلَ اَوْیُفْتَحَ لَہٗ وَالثَّلٰثَۃُ الَّذِیْنَ یُبْغِضُھُمُ اللّٰہُ الشَّیْخُ الزَّانِیْ وَالْفَقِیْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِیُّ الظَّلُوْمُ. (رواہ الترمذی النسائی کذا فی المشکوۃ وعزاہ السیوطی فی الجامع الی ابن حبان والحکم.)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جل شانہ محبوب رکھتا ہے

اور تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ جل جلالہ کو بغض ہے، جن تین آدمیوں کو اللہ جل شانہ محبوب رکھتا ہے ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ کسی مجمع کے پاس کوئی سائل آیا اور محض اللہ کے واسطہ سے ان سے کچھ سوال کرنے لگا۔ کوئی قرابت، رشتہ داری (وغیرہ) اس سائل کی اُن سے نہ تھی۔ اس مجمع نے اس سائل کو کچھ نہ دیا۔ اس مجمع میں سے ایک شخص اُٹھا اور چپکے سے اس سائل کو کچھ دے دیا، جس کی خبر بجز اللہ جل شانہ کے یا اُس سائل کے اور کسی کو نہ ہوئی (تو یہ دینے والا شخص اللہ جل شانہ کو بہت محبوب ہے) دوسرا وہ شخص کہ ایک مجمع کہیں سفر میں جارہا ہے، ساری رات چلنے کے بعد جب نیند کا اُن پر اتنا غلبہ ہوجائے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ محبوب بن گئی ہو، تو وہ مجمع تھوڑی دیر کے لیے سونے لیٹ گیا، لیکن ایک شخص اُن میں سے کھڑا ہوکر اللہ جل شانہ کے سامنے گڑگڑانے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کردے، تیسرا وہ شخص کہ کسی جماعت میں جہاد میں شریک تھا وہ جماعت شکست کھاگئی ان میں سے ایک شخص سینہ سپر ہوکر آگے بڑھا اور شہید ہوگیا یا غالب ہوگیا۔ اور وہ تین شخص جن سے اللہ جل شانہ بغض رکھتے ہیں ایک وہ جو بوڑھا ہوکر بھی زنا میں مبتلا ہو، دوسرا وہ شخص جو فقیر ہوکر بھی تکبر کرے، تیسرا وہ شخص جو مالدار ہوکر ظلم کرے۔

ایک حدیث میں ہے تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ جل شانہ قیامت میں نہ کلام کریں گے نہ اُن کا تزکیہ کریں گے اور نہ اُن کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائیں گے، اور اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا، ایک زانی بوڑھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا متکبر فقیر (جامع الصغیر عن مسلم) تزکیہ نہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو گناہوں سے پاک نہ کریں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی تعریف نہ کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف حق تعالیٰ شانہ قیامت میں (رحمت کی) نظر نہ کریں گے اور اُن کیلیے دکھ دینے والا سخت عذاب ہوگا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص زنا کار، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا وہ شخص جو خرید و فروخت میں ہر وقت قسم کھاتا رہے، جو خریدے قسمیں کھا کر خریدے اور جب فروخت کرے تو بھی قسمیں کھا کر فروخت کرے (یعنی بات بے بات) ضرورت بے ضرورت بار بار قسمیں کھاتا ہو کہ اللہ پاک کی عالی شان کی بے ادبی ہے) ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ تین شخصوں کی طرف کل کو (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شانہ نظر نہ کریں گے، بوڑھا زانی، دوسرے وہ شخص جو قسموں کو اپنی پونجی بنائے کہ ہر حق ناحق پر قسم کھاتا ہو، تیسرے متکبر فقیر جو اکڑتا ہو (جامع الصغیر)۔

# آبِ زم زم

(ترجمہ و تلخیص محمد ارشد صاحب، ایم۔اے انگلش، صوبائی پبلک سروس کمشن، پشاور)

(Note)اشارہ:　　زیرِ نظر مضمون ایک سعودی انجینئر جناب یحیٰ حمزہ کوشک صاحب کی کتاب سے ہے۔اصل کتاب انگریزی میں ہے۔ادارہ جناب ارشد صاحب کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے ترجمہ اور تلخیص کا کام کیا۔

مصنف نے سب سے پہلے زم زم کی تاریخ لکھی ہے اور قرآن پاک کی آیت جو کہ حضرت ابراھیمؑ کی دعا ہے، کا ترجمہ لکھا ہے اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو اس بیابان میں چھوڑے جانے اور ان کی پریشانی کے بارے میں لکھا ہے۔اور یہ لکھا ہے کہ کس طرح جبرائیلؑ کے پر مارنے سے آبِ زم زم کا چشمہ جاری ہوا۔آگے لکھا ہے کہ بعد میں نامعلوم وجوہات پر یہ چشمہ بند بھی ہوا تھا۔یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے نے ایک خواب دیکھنے کے بعد اس کو دریافت کیا۔مصنف نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں آبِ زم زم کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کے کچھ واقعات لکھ رہا ہوں۔میرا زم زم کے ساتھ بچپن ہی سے ایک پراسرار تعلق رہا ہے۔ہمارا گھر باب الصفا کے بالکل سامنے تھا اور میری توجہ اکثر حاجیوں اور دوسرے لوگوں کی طرف چلی جاتی تھی جو کہ آب زم زم کو والہانہ طور پر پیتے، دعائیں مانگتے اور اس سے وضو کرتے اور بدن پر ڈالتے تھے۔یہ ایک ایسا روح پرور نظارہ ہوتا تھا جس کو میں دیکھتے کبھی نہیں تھکتا تھا۔جب میں دس سال کا تھا تو میرے والد صاحب جو کہ ٹھیکیدار تھے، کو محکمہ اوقاف نے زم زم کے کنویں کے اوپر چھت بنانے کا ٹھیکہ دیا۔میرے والد صاحب کا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ اس پانی کو زیادہ سے زیادہ حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق پینے کیلئے فراہم کیا جائے۔انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر پانی کو ڈول کے بجائے پمپوں سے نکالنے کا مشورہ دیا۔محکمہ نے اس بات کو منظور کیا اور پمپ کامیابی کے ساتھ لگائے گئے۔اس سے پانی کا ذائقہ بھی بہتر ہوا کیونکہ ڈول اتنی گہرائی سے پانی نہیں نکال سکتے جتنی گہرائی سے پمپ نکالنے لگے۔وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ میں انجینئرنگ میں ماسٹر ڈگری لینے کیلئے امریکہ چلا گیا لیکن زم زم ہمیشہ کی طرح میرے ذہن میں رہا۔میرا Thesis (تحقیقی مقالہ) جو کہ سعودی عرب، اور خاص طور پر مکہ مکرمہ میں پانی کی فراہمی کے متعلق تھا، میں آب زم زم بھی زیرِ بحث آ گیا۔میں نے لکھا کہ زم زم کے پانی میں اردگرد کا استعمال شدہ پانی مل جاتا ہے اس لئے کہ اردگرد نکاسی کا نظام ناکافی ہے۔آب زم زم کے اوپر وسیع تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کو دوبارہ صاف کرنے کیلئے اس پر الٹرا وائلٹ ریز استعمال کیے جائیں۔اس بات کو میں نے اپنے Thesis میں ۱۹۷۰ء میں لکھا۔میرا یہ خواب آخر کار میرے ہی ذریعے سے پورا ہو گیا۔کتاب کے شروع میں مصنف نے آبِ زم زم

کے آغاز کو تفصیل سے لکھا ہے۔اس بارے میں اس نے خاص طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کی تحقیق کے بارے میں لکھا ہے کہ بائیبل کے سکالر کہتے ہیں کہ اسماعیلؑ ۱۹۱۰ قبل از مسیح میں پیدا ہوئے۔یہی تاریخ المسعودی اور بعد کے عرب تاریخ دانوں نے بھی لکھی ہے۔یہ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ اپنی پیدائش ہی کے سال اپنے والد کے ساتھ مکہ مکرمہ آ گئے تھے اور اسی سال آبِ زم زم نمودار ہوا تھا۔ہجری کیلنڈر کے مطابق یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ۲۵۷۲ قمری سال پہلے آتا ہے جو کہ آج سے تقریباً ۴۰۰۰ قمری سال پہلے بنتا ہے۔آگے اس نے آبِ زم زم کے بند ہو جانے کے بارے میں مختلف آرا لکھی ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ یہ جغرافیائی وجوہات کی بنا پر بند ہوا تھا لیکن بعض نے لکھا ہے کہ جرھم قبیلہ نے خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی تھی جس کی پاداش میں یہ پانی بند ہو گیا تھا۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ایک سردار حضاض بن عمر الجرہمی تھا جس نے ایک جنگ شروع کی تھی جس میں اس کو آخر کار شکست ہوئی۔اس کا یہ خیال تھا کہ دشمن اس کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیں گے اس وجہ سے اس نے اس کنویں کو بند کروا دیا۔اس خیال سے کہ اس کے دشمنوں کو پانی نہ مل سکے۔بند کرنے سے پہلے اس نے اپنا خزانہ اور دوسری قیمتی چیزیں بھی اس میں دبا دیں۔اس کے بعد لوگوں نے پانی حاصل کرنے کیلئے آس پاس کئی کنویں کھودے اور ہر قبیلے نے اپنا کنواں کھودا۔

## آبِ زم زم کا دوبارہ نمودار ہونا:

حضرت عبدالمطلب نے کئی خواب دیکھے جن میں ان کو خانہ کعبہ کے پاس ایک جگہ کو کھودنے اور پانی نکالنے کے بارے میں اشارے ملے۔جب ان کو تسلی ہوئی کہ یہ خواب سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو انہوں نے خواب میں بتائی ہوئی جگہ کو کھودنا شروع کیا۔قریش میں بعض نے ان کی مخالفت کی اور ان کو اس مقدس جگہ کو کھودنے سے منع کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور اپنے واحد بیٹے العباس کی مدد سے کام جاری رکھا۔حضرت عبدالمطلب نے منت مانی کہ اگر وہ اس کام میں کامیاب ہوئے تو اگر ان کے دس بیٹے ہو گئے تو ان میں ایک کو اللہ کیلئے قربان کر دے گا۔انہوں نے بہت مشقت اٹھائی اور آخر کار آبِ زم زم کا کنواں دوبارہ دریافت ہوا۔انہوں نے اپنے بیٹے کی مدد سے حاجیوں کو پانی پلانے کیلئے ٹینکی بنائی۔وقت گزرتا گیا۔حضرت عبدالمطلب نے کئی شادیاں کیں اور ان سے کئی بچے ہوئے۔جب بیٹوں کی تعداد دس ہو گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ کیا لہذا انہوں نے اپنے بیٹوں کے درمیان قرعہ نکالا جو کہ حضرت عبداللہ کے نام نکل آیا۔حضرت عبداللہ ان کو اپنے بیٹوں میں سب زیادہ پسند تھے۔اس وجہ سے حضرت عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے۔لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ فلاں جگہ پر ایک پادریہ ہے،اس مسئلے کا حل اس سے پوچھا جائے۔حضرت عبدالمطلب بہت مشقت کے

بعد اس پادریہ تک پہنچے اور اس سے مسئلہ دریافت کیا۔ پادریہ نے کہا کہ آپ کے دین میں ایک بندے کا خون بہا کتنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دس اونٹ۔ پادریہ نے کہا کہ بس حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ نکالیں اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا تو ان کو قربان کیا جائے اور اگر قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکل آیا تو دس اونٹ اور بڑھائے جائیں اور پھر ان کے اور حضرت عبداللہ کے درمیان قرعہ نکالا جائے۔ اس طرح کرتے جائیں جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نہ نکلے۔ حضرت عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے درمیان قرعہ نکالا مگر قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ اسی طرح کرتے کرتے جب اونٹوں کی تعداد سو (۱۰۰) تک بڑھا دی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ مگر اس پر بھی حضرت عبدالمطلب مطمئن نہیں ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے حق کے ساتھ انصاف نہیں کر رہا لہذا انہوں نے دوبارہ قرعہ نکالا مگر اس بار بھی قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور انہوں نے تیسری دفعہ قرعہ نکالا لیکن تیسری دفعہ بھی قرعہ اونٹوں کے نام ہی نکل آیا۔ اس پر حضرت عبدالمطلب مطمئن ہوئے اور انہوں نے سو (۱۰۰) اونٹوں کی قربانی دی۔ حضرت عبدالمطلب نہایت سخی انسان تھے۔ ان کے اونٹوں کے کئی ریوڑ تھے۔ حج کے دنوں میں وہ اپنی اونٹنیوں کے دودھ میں شہد ملا کر مشکیزوں میں بھرتے اور حاجیوں کو پلاتے۔ وہ بہت سارا کشمش خریدتے اور اس کو آبِ زم زم میں گھول کر ایک مشروب بناتے اور اس کو حاجیوں کو پلاتے تھے۔ اس مشروب کو نبیز کہتے تھے۔ اس کے بعد مصنف نے پانی پلانے کی جگہ کی پوری تاریخ لکھی ہے کہ کس دور میں اس میں کتنا اضافہ ہوتا رہا۔

## آبِ زم زم کا شرف:

مصنف نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے آبِ زم زم کی کئی خصوصیات لکھی ہیں، کہ آبِ زم زم بھوک مٹانے والا، بیماریوں کی شفا، دل کو مضبوط کرنے والا اور نفاق سے نجات دلانے والا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی کا قول نقل کیا ہے کہ آبِ زم زم کوثر سے بہتر ہے، اس لئے کہ آبِ زم زم سے حضور پاکؐ کے سینہ مبارک کو دھویا گیا ہے اور حضورؐ کا سینہ مبارک بہترین پانی ہی سے دھویا جا سکتا ہے۔

## آبِ زم زم کی خصوصیات کا تجزیہ:

آبِ زم زم کے بارے میں مختلف حقائق اور آراء نقل کی گئی ہیں۔ حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق آبِ زم زم ایک میٹھا پانی ہے اور اس کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ نے صفا سے جاری ہوتے ایک چشمے سے تبدیل فرمایا۔ امام بدرالدین کہتے ہیں کہ میں نے آبِ زم زم کی ایک خاص مقدار کو اس کے برابر مکہ مکرمہ کے ایک چشمے سے لئے گئے پانی

کے ساتھ تولاتو آبِ زم زم کو ساری دنیا کے پانیوں سے کہیں بھاری پایا۔

مصنف نے یہاں پر ایک مصری سکالر محمد لبیب البیثونی کے تحریر پر بحث کی ہے جو کہ اس نے اپنی کتاب الرحلت الحجاریہ میں دیا ہے۔ البیثونی نے اپنی تحریر میں متضاد باتیں لکھی ہیں۔ ایک جگہ پر لکھتا ہے کہ آبِ زم زم اپنے اندر شامل اجزاء کیوجہ سے بیماریوں کے علاج کا کام دیتا ہے لیکن دوسری جگہ لکھتا ہے کہ اس کا کم مقدار میں پینا تو فائدہ مند ہے لیکن زیادہ مقدار میں پینا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ خاص کر حج کے علاوہ کے دنوں میں جب آبِ زم زم کا استعمال کم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے اس میں نمکیات بڑھ جاتے ہیں۔ البیثونی نے اس کی روحانی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ البیثونی اپنے تجربے میں نہایت کشمکش کا شکار ہے وہ میڈیسن اور سنت میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کر پا رہا۔ مصنف لکھتا ہے کہ حضور پاک ؐ کی کئی احادیث مبارکہ سے آبِ زم زم کی اعلیٰ روحانی اور طبی خصوصیات واضح ہیں۔ اس بارے میں مصنف الکردی کی کتاب The History Of Makkah And The Noble House Of Allah کے حوالے سے لکھتا ہے کہ زم زم کا پانی ۱۳۷۶ھ میں تھوڑا سا بھاری اور نمکین ہو گیا تھا یہاں تک کہ سعودی گورنمنٹ نے مسجد کی توسیع کا فیصلہ کیا جس میں کئی مکانات گرا دیے گئے اور نئی عمارت کی بنیاد مروہ سے منا تک بابِ وداع تک بڑھا دی گئی۔ نئی بنیادوں کیلئے کھدائی کی وجہ سے ایک بہت بڑی کھڈ بن گئی اور اس وقت کے بعد پانی میں ایک واضح مٹھاس اور صفائی پیدا ہوگئی۔ آبِ زم زم پر تبصرہ کرتے ہوئے الکروی لکھتا ہے کہ یہ ذرا سا نمکین ہے اور دنیا کے باقی پانیوں سے بالکل مختلف ہے اور یہی وجہ ہے کہ بندہ جب ایک بار اس کو پیتا ہے تو چاہے کتنا ہی عرصہ بعد اس کو دوبارہ پی لے وہ اس کو ضرور پہچانتا ہے۔ لیکن اس کا یقینی ذائقہ بیان میں نہیں آسکتا۔ یہ نمکین ضرور ہے لیکن نمک ملے ہوئے پانی کی طرح نہیں ہے۔ اس کا یہی ذائقہ مسلمانوں کو بہت عزیز ہے اور اس کا ذائقہ صرف محسوس کرنے پر منحصر ہے شاید اس کا نمکین پن ہی ہے جو کہ غیر مسلموں اور کمزور ایمان والوں کو ناگوار لگتا ہے اور وہ اس کو زیادہ پی نہیں سکتے جو کہ حضور پاک ؐ کی حدیث مبارک کا مصداق ہے جس کا مفہوم ہے کہ منافقین آبِ زم زم کو پیٹ بھر کر نہیں پی سکتے۔ اس کے بعد مصنف نے آبِ زم زم کو مسنون طریقے سے پینے کے بارے میں روایات لکھی ہیں۔

آبِ زم زم سے بدن کی صفائی کے بارے میں بھی مصنف نے مختلف مسئلے لکھے ہیں کہ اس سے استنجا نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد مصنف نے آبِ زم زم کے کنویں کی مختلف ادوار میں مرمت اور آرائش وغیرہ کی پوری تاریخ لکھی ہے جو کہ حضرت ابن عباس ؓ کے دور تک جاتی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بیت اللہ شریف میں سب سے بڑا

تعمیری کام ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ء) میں سلطان عبدالحمید اول نے کروایا۔ اس کے بعد سعودی حکمران شاہ عبدالعزیز کے دور میں ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ء) میں آبِ زم زم کو ڈول کے بجائے پمپ سے نکالنے کا کام شروع ہوا جو کہ مصنف کے والد حمزہ کوشک جو کہ ٹھکیدار تھے، کے مشورے اور ذریعے سے کیا گیا۔

آبِ زم زم کی اوسط روزانہ نکاس اور استعمال عام دنوں میں سو (۱۰۰) کیوبک میٹر، جمعہ کے دن دو سو (۲۰۰) کیوبک میٹر اور رمضان المبارک اور حج کے دنوں میں ایک ہزار (۱۰۰۰) کیوبک میٹر ہوتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے کنویں کی صفائی کی تاریخ پر بحث کی ہے کہ آبِ زم زم کے کنویں کی صفائی وقتاً فوقتاً ہونی چاہیے۔ ایک اور سکالر الازرمی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ۲۲۳ھجری اور ۲۲۴ھجری میں اس کی صفائی ہوئی ہے۔ ۱۰۲۸ھجری (۱۶۱۸ء) میں اردگرد کے تعمیری کام کی وجہ سے دیواروں کے کچھ پتھر زم زم کے کنویں میں گر گئے تھے جس سے پانی کا ذائقہ زیادہ نمکین اور پینے کیلئے مشکل ہو گیا تھا۔ یہ دور شریف ادریس کا تھا۔ اس نے کنویں کی صفائی اور اندر کی دیواروں کی مرمت کروائی۔ ہمارے دور میں کنویں کی صفائی دو دفعہ ہوئی ہے۔ ۱۳۹۹ھجری (۱۹۷۹ء) میں جب بن لادن یحییٰ نے مطاف کی توسیع کا کام شروع کیا تو کنویں کے اردگرد کھدائی کے دوران کئی جگہوں پر پانی نکل آیا۔ اس بات پر سعودی حکومت نے حکم دیا کہ آبِ زم زم کے کنویں کو آس پاس کے پانیوں سے پاک رکھنے کے طریقے تلاش کئے جائیں۔ اس وقت مصنف ڈائریکٹر جنرل واٹر اینڈ سیورج تھا۔ اس لئے ماہرین کے پینل میں شامل کیا گیا۔ اور آخر کار یہ رپوٹ پیش کی گئی کہ بیت اللہ شریف میں زمین کے اندر رِستے ہوئے پانی کا رخ بارش کے پانی کے نکاس والی نالیوں کی طرف کر دیا جائے اور اس دوران کنویں کی مکمل صفائی کی جائی اور اس کے اصل چشمے (Source) کی تلاش بھی کی جائے۔ اس دوران ۱۹۸۰ء میں بیت اللہ شریف پر کچھ شرپسندوں کا قبضہ ہوا۔ ان سے نمٹنے کیلئے بجلی کاٹ دی گئی۔ جس کی وجہ سے بن لادن کمپنی کی طرف سے آس پاس کے پانی نکالنے کیلئے رکھے گئے پمپ پانی میں ڈوب گئے اور پانی زم زم کے کنویں میں گرنے لگا۔ حکومت نے تیل سے چلنے والے پمپ لگوائے مگر وہ چھوٹے اور ناکافی تھے جس کی وجہ سے پانی کنویں میں گرتا رہا۔ شرپسندوں کو بیت اللہ شریف کے تہہ خانہ میں محصور کر دیا گیا اور اس دوران دو تین بجلی والے بڑے پمپ لگائے گیے جن کو بجلی بیت اللہ شریف کے باہر سے مہیا کی گئی اور اس طرح پانی کو باہر نکال دیا گیا۔ جب پانی کافی کم ہو گیا تو میں نے ربڑ کا لباس جو کہ سینے تک آسکتا تھا، پہن لیا اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کنویں کے معائنہ کیلئے اندر داخل ہوا۔ جب کنویں سے پانی مکمل طور پر باہر نکال لیا گیا تو ہم کنویں کے تہہ میں اترے۔ کنویں کے تہہ والے پانی کو معائنہ کیلئے لیا گیا جس میں کافی آلودگی پائی گئی مگر حیرت کی بات

یہ تھی کہ اسی پانی کو بعض ساتھیوں نے معائنہ سے پہلے پیا تھا مگر ان کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ معائنہ کے بعد کنویں کے پانی کو اس وقت تک استعمال کیلئے ممنوع قرار دیا گیا جب تک کنواں مکمل طور پر صاف نہیں کیا جاتا۔ کنویں کی مکمل صفائی کرادی گئی اس کی دیواروں کو اینٹی سپٹکس کے ذریعے دھویا گیا اور جب کنویں کے اصل چشمے کا پانی ظاہر ہوا تو اس کو معائنہ کیلئے لیا گیا۔ معائنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آبِ زم زم ہر لحاظ سے صحت کیلئے مفید اور آس پاس کے کنویں کے پانی سے بالکل مختلف ہے۔ اس کیلئے آس پاس کے کنووں کے پانی کا معائنہ بھی کر دیا گیا۔ آبِ زم زم کا بڑا چشمہ خانہ کعبہ کی طرف سے نکلتا ہے جو کہ حجر اسود کے بالکل بالمقابل ہے اس چشمے کی لمبائی ۴۵ سنٹی میٹر اور چوڑائی ۳۰ سنٹی میٹر اور اس کا پانی سب سے بہتر ہے۔ آبِ زم زم کا دوسرا چشمہ اجیاد کی طرف نکلتا ہے۔ تاریخی حوالوں سے ایک تیسرے چشمے کا بھی پتہ چلتا ہے جو کہ جبلِ ابوقبیس اور صفاء کی طرف سے نکلتا ہے۔ مگر موجودہ دور میں اس طرف صرف ۲۱ چھوٹے چھوٹے سوراخ موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ چشمہ ۱۰۲۸ ھجری میں مرمتی کام سے بند ہو گیا ہوگا۔

۱۳۸۸ ھجری (۱۹۶۹ء) میں مکہ مکرمہ میں بہت بارشیں ہوئیں اور سیلاب کا پانی بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کے دروازے تک آ گیا، چونکہ اس وقت پانی نکالنے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لئے سیلاب کا پانی پمپوں کے ذریعے باہر نکالا جانے لگا۔ اس وقت مجھے کنویں کے معائنے پر مقرر کر دیا گیا۔ کنواں ایک کمرے کے اندر تھا ۔ جب کمرا کھولا گیا تو پانی تیزی سے باہر نکلنے لگا اور لوگوں نے چیخنا شروع کیا کہ دیکھو دیکھو! کنواں خود اپنے آپ کو صاف کر رہا ہے۔ میں نے ایک ٹشو پیپر پانی میں پھینکا تو دیکھا کہ پانی کے دھارے نے اس کو کنویں کے باہر کی طرف نکالا۔

میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ زم زم کو **Sterilize** کروں تا کہ یہ **Seepage** کے اثرات سے بالکل پاک ہو کر خالص ہو جائے۔ ۱۹۶۸ء میں میں پی ایچ ڈی کرنے امریکہ چلا گیا تو بھی یہی ارمان میرے دل میں تھا اور وہاں میں نے اس پر تحقیق کی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پانی کو **U.V** ریز ہی کے ذریعے ایسا صاف کیا جا سکتا ہے کہ اس کا اصل ذائقہ بھی برقرار رہے گا اور یہ آس پاس کے رستے ہوئے پانی کے اثرات، بیکٹیریا اور مائیکروب سے صاف بھی ہو جائیگا۔ میرا یہ خواب ۱۹۷۵ء میں اس بارے میں حکومتی فیصلے کے بعد پورا ہو گیا۔ اور آج کل استعمال ہونے والا سارا پانی **U.V** ریز کے ذریعے صاف کیا جاتا ہے۔ پانی نکالنے والے پائپوں کے اندر **U.V** ریز کے پمپ لگے ہوئے ہیں جو کہ گزرنے والے پانی کو ہر طرح کے بیکٹیریا وغیرہ سے صاف کر دیتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

# اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (دسویں قسط)

( مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی )

## حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کی تواضع

پیدائش ۱۸۳۰ء ، وفات ۱۹۰۲ء

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے بڑے اونچے درجے کے عالم تھے۔ ان کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو بالکل خاموش رہتے، کچھ بولتے نہیں تھے جیسے آجکل بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرتا ہے تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو آپ کا حسن ظن ہے ورنہ ہم تو اس قابل نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ دل میں بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہماری اور تعریف کرے اور ساتھ ساتھ دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ یہ بناوٹی تواضع ہے حقیقی تواضع نہیں۔ لیکن حضرت مولانا یعقوب صاحب خاموش رہتے، اب دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں، اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں اس لیے تعریف سے نہ روکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تردید کرتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے والا سمجھ رہا ہے کہ ان کے اندر تواضع نہیں ہے حالانکہ ان باتوں کا نام تواضع نہیں ہے بلکہ تواضع تو دل کے اندر ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی کبھی کسی کام کو اپنے سے فروتر نہیں سمجھتا۔

### تواضع کا ایک واقعہ

چنانچہ ایک صاحب نے ایک مرتبہ مولانا یعقوب صاحب کی دعوت کی آپ نے قبول فرما لی۔ اس شخص کا گاؤں فاصلے پر تھا لیکن اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہوگئے اور دل میں خیال بھی نہ آیا کہ اُن صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بہرحال آپ اس کے گھر پہنچ گئے کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے اس کے بعد جب آپ واپس چلنے لگے تو اس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا بلکہ الٹا یہ غضب کیا کہ بہت سارے آموں کی گٹھڑی بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت یہ کچھ آم گھر کے لیے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے

بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے اور سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے، اتنی بڑی گٹھڑی کیسے لے کر جائیں گے۔ مگر اس نے وہ گٹھڑی مولانا کو دے دی اور مولانا صاحب نے قبول فرمائی اور اٹھا کر چل دیے۔ اب ساری عمر مولانا صاحب نے کبھی اتنا بوجھ نہیں اٹھایا، شہزادوں جیسی زندگی گذاری ،اب اس گٹھڑی کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے اور کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے چلے جارہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آیا تو اب دونوں ہاتھ تھک کر چور ہوگئے، نہ اس ہاتھ میں چین اور نہ اُس ہاتھ میں چین۔ آخر کار اس گٹھڑی کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا، جب سر پر رکھ لیا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے ہم بھی عجیب آدمی ہیں پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گٹھڑی کو سر پر رکھ لیں اور اتنی تکلیف اٹھانا نہ پڑتی۔

اب مولانا صاحب اس حال میں دیوبند میں داخل ہو رہے ہیں کہ سر پر آموں کی گٹھڑی ہے۔ اب راستے میں جو لوگ ملتے وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں اور آپ نے ایک ہاتھ سے گٹھڑی سنبھالی ہوئی ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اسی حال میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرہ برابر بھی خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے رتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے۔ بہرحال انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے یہ ہے تواضع کی علامت۔ (اصلاحی خطبات)

## حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی تواضع

پیدائش ۱۸۵۱ء، وفات نومبر ۱۹۲۰ء

مدرسہ معینیہ اجمیریہ کے معروف عالم دین حضرت مولانا معین الدّین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انھوں نے شیخ الہندؒ کی شہرت سن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا، وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدّین صاحب نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ ''مجھے حضرت مولانا محمود الحسن سے ملنا ہے''۔ وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے''۔ مولانا

اجمیری منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا، اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ ''حضرت مولانا محمود الحسن'' کو اطلاع دیجئے۔ان صاحب نے فرمایا کہ آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا مولانا اجمیری نے کہا کہ میں مولانا محمود الحسن سے ملنے آیا ہوں آپ انھیں اطلاع دیجئے۔ان صاحب نے فرمایا ان کو اطلاع ہو گئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔مولانا اجمیری سے کھانا کھایا تو ان صاحب نے ان کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا، جب دیر گذر گئی تو مولانا اجمیری برہم ہو گئے اور فرمایا آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں مولانا سے ملنے آیا ہوں اور اتنی دیر ہو گئی ہے ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہ کرائی۔اس پر وہ صاحب بولے کہ ''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں ہے البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے'' مولانا معین الدّین یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند کیا چیز ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسر جناب مولانا محمود صاحب رام پوری رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت و ریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھے اور تمام اکابر دیوبند سے ان کے تعلقات تھے۔ جب حصول علم کے لیے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو چھوٹی مسجد سے معروف تھی، حضرت شیخ الہند دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گذرا کرتے تھے۔ایک روز وہاں سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ مولانا محمود صاحب رامپوری کھڑے ہیں۔حضرت شیخ الہند کو ان کے دیوبند آنے کا پتہ نہیں تھا اس لیے ان سے پوچھا کیسے آئے؟ انہوں نے تفصیل بتائی کہ اسی مسجد کے حجرے میں مقیم ہوں۔حضرت حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی، ان کے سونے کے لیے ایک بستر فرش پر بچھا ہوا تھا۔اس وقت تو حضرت یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود رامپور کے رئیس زادے ہیں ان کو زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر مسجد کی

طرف چلے، وہاں سے فاصلہ کافی تھا لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازاروں سے گذرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحب مسجد سے نکل رہے تھے یہاں پہنچ کر شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ وہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو ان کو ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی۔ چنانچہ انھیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا ''لو میاں یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے ص ۲۲)

ایک مرتبہ دیوبند میں کسی صاحب کے یہاں شادی کی کوئی تقریب ہوئی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف لے گئے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد احمد صاحبؒ بھی اور دیگر اساتذہ بھی مدعو تھے۔ حضرت شیخ الہند حسب معمول عام آدمیوں کی صف میں ملے جلے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے اس تقریب میں کچھ منکرات سامنے آئے، دارالعلوم کے بعض اساتذہ نے آکر حضرت شیخ الہندؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ صاحبِ خانہ کو سمجھائیں کہ وہ ان منکرات سے پرہیز کریں، حضرت شیخ الہندؒ نے بے ساختہ اور تعجب کے انداز میں حضرت حافظ محمد احمد صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ''بھلا اکابر کے ہوتے ہوئے میرے پاس آئے ہو ان کی موجودگی میں میرا کچھ کہنا بے ادبی ہے۔''

حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا محمد احمدؒ دونوں معاصر تھے لیکن شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی تواضع کا جو بلند مقام عطا فرمایا تھا اسی وجہ سے وہ اپنے معاصرین کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں حضرت شیخ الہند کی علمی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس دور میں لمبے چوڑے القاب کا رواج عام نہیں تھا۔ شیخ الہند کا لقب بھی بعد میں مشہور ہوا۔ اس وقت تو عام طور پر لوگ ''بڑے مولوی صاحب'' کہتے تھے اور حضرت کی تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے انداز و ادا سے یہ چاہتے تھے کہ ان کو اس نام سے نہ پکارا جائے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب (حضرت مولانا یٰسین صاحب) حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے لیکن حضرت کو جب بھی کوئی ادنیٰ ضرورت ہوتی تو خود ہمارے گھر تشریف لاتے، دروازہ پر دستک دیتے، اندر سے سوال

ہوتا کون ہے؟ تو جواب ہوتا ’’بندہ محمود آیا ہے۔‘‘

حکیم لامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے تو انھوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا، کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے، ادھر علماء دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی اس لیے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ معقولات ومنقولات میں کیسی دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی، حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اس وقت تک وہ علماء جس کو حضرت تھانویؒ شیخ الہند کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا لیکن ہوا یوں کہ جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کر کے ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہی موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟ شیخ الہندؒ نے جواب دیا ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے، یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو مجبور ہو کر اس نے حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا، اگر تھوکنے کے بعد کوئی کاروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ کر دی، مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی، اس لیے اسے روک دیا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ! لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا، مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہو گئے اور حدیث ''**فقیه واحد اشد علی الشیطن من الف عابد**'' پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ: ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جسے ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہئے کہ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے! ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا اندازِ بیان توہین آمیز ہی نہیں اشتعال انگیز بھی تھا، لیکن اس وقت حضرت شیخِ وقت کا طرز عمل سنئے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہ مانا، خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرما دیا اس کے بعد ان عالم سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تا کہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ **اشد** کا ترجمہ اثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔ مولانا نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے ''**یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علیّ**'' (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت شیخ الہند کے ہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن پاک ختم ہوتا تھا۔ایک حافظ صاحب تراویح پڑھا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے، خود حافظ نہیں تھے تراویح کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت کے ہاں تھوڑا آرام کرتے تھے۔حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی میرا پاؤں دبا رہا ہے، میں سمجھا کہ شاید کوئی شاگرد ہوگا چنانچہ میں نے دیکھا نہیں کہ کون دبا رہا ہے، کافی دیر گزرنے کے بعد جو میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہندؒ میرے پاؤں

دبا رہے ہیں۔میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا حضرت یہ آپ نے کیا غضب کر دیا حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا ،تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو میں نے سوچا دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا اس لیے دبانے کے لیے آ گیا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے رئیسانہ زندگی ،مگر آخر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہوگیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا۔ حضرت تھانویؒ ایک جگہ ذکر محمود میں فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی ایسی وضع اختیار کی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔وضع سے کوئی شخص یہ نہ گمان کر سکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی جاہی یا علمی حاصل ہے۔حالانکہ

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کیا جو حضرت کے خدّام اور تلامذہ تھے۔فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب مل کر اسے دیکھ لو اگر پسند ہو تو شائع کرو۔حضرت حکیم الامت اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اس تواضع کی بھی کوئی حد ہے۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت

مولانا شیخ الہندؒ نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معاً یہ خیال مانع ہوگیا کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا، بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ٥

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَــرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوَارِثِیۡنَ ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰهِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَهۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ٥

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَــرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوَارِثِیۡنَ ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰهِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَهۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام.